Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

خدیجہ مستور کے افسانوں میں صنفی امتیاز

رابعہ مشتاق

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

صدرِ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Rabia Mushtaq
PhD Scholar, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
Dr. Rabia Sarfraz
President of Urdu Department, Government College University, Faisalabad

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an article open access distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Khadija Mastoor is counted among the prominent short story writers of modern era and Pakistan. She is a progressive and open-minded woman writer who has masterfully employed her creative genius and art to elevate the aforementioned genre to its peak. She has reflected the complete picture of society in her short stories. Her works encompass a diverse range of subjects. She skillfully portrays the issues faced by society in her short stories, and that's why her works also tackle sensitive topics like gender discrimination with complete command. In the context of gender discrimination, she has particularly highlighted the economic, social, sexual, mental, and moral exploitation faced by women in a very profound manner.

Keywords: Khadija Mastoor, society

خدیجہ مستور کا شمار عصر جدید اور پاکستان کی نامور افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کے افسانوں کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ گرہیں کھلتی ہیں کہ ان کے افسانوں میں وہ تمام موضوعات اور افکار بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں جو کسی بھی افسانے کی مقبولیت کے لیے از حد ضروری ہیں۔ ان کے ہاں دیگر موضوعات کی طرح صنفی امتیاز جیسے حساس

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

موضوع پر بھی افسانے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے ہاں صنفی امتیاز کی تصویریں مختلف اور منفرد صورت میں سامنے آتی ہیں۔ انہوں نے معاشرے میں پائے جانے والے صنفی انحطاط کو اپنے افسانے میں کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔ خدیجہ مستور ترقی پسند تحریک کے زیر سایہ افسانہ نگاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ انہوں نے صنفی امتیاز کے متعلق افسانے تحریر کرتے ہوئے فسادات کو ذہن میں رکھا۔ صنفی امتیاز کے ذیل میں انہوں نے مرد طبقے کو انسان سے حیوان بننے اور عورتوں کا جنسی استحصال کرتے دیکھا تو اسے اپنے افسانے میں مکمل طور پر بیان کیا۔ خدیجہ مستور کا یہ خاصا ہے کہ وہ اصل زندگی سے موضوعات کو منتخب کرتی ہیں۔ صنفی امتیاز کے ذیل میں انہوں نے جن

موضوعات کا انتخاب کیا ان میں عورت کی تحقیر، عورت کی مظلومیت، بے بسی، عورت کی تمام تشنہ آرزوئیں، شوہروں کا بیویوں کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ اور شادی شدہ عورتوں کا جنسی و جذباتی استحصال مشمول ہے۔ سلیم اختر خدیجہ مستور کے ہاں پائے جانے والے صنفی تفاوت کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "خدیجہ عورت کی cause کی حمیتی... ضرور ہیں مگر انہیں عورتوں کی سرسید بننے کا شوق نہیں۔ اس کا سب سے برا باعث ان کا غیر جذباتی رویہ جس کی اساس حقیقت پسندی پر استوار ہے۔"(۱)

صنفی امتیاز کے ذیل میں لکھا گیا خدیجہ مستور کا افسانہ "خرمن" اپنی مثال آپ ہے۔ اس افسانے میں ایک کنیز نامی لڑکی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ کنیز کے ساتھ سماج محض اس لیے غیر انسانی اور غیر فطری سلوک روا رکھتا ہے کیونکہ وہ بن باپ کے بیٹی تھی۔ مذکورہ افسانے میں صنفی امتیاز کی عکاسی نہایت منفرد اور عمیقانہ طریقے سے کی گئی ہے۔ کنیز جو باپ کی وفات کے بعد سماج کے ان تمام امتیازی رویوں پر صبر کرتی ہے جو کسی بھی انسان کو زندہ در گور کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ مذکورہ افسانے میں صنفی تفاوت کی بدترین عکاسی نظر آتی ہے۔ "خرمن" میں کنیز نامی لڑکی کی کہانی چھ مہینے کے دین محمد سے ہوتی ہے۔ اپنے بچوں کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے دین محمد صرف چھ مہینوں کے لیے کنیز سے بیاہ کرتا ہے شادی کے بعد سے ہی کنیز اس سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ دین محمد کی بیوی تو ہسپتال میں بیمار پڑی ہے کی وفات کے بعد وہ دین محمد اور اس گھر کے حصول میں کامیاب ہو جائے گی۔ کنیز پر قیامت تب ٹوٹتی ہے جب دین محمد سکینہ کی

وفات پر اسے گھر سے جانے کے لیے کہتا ہے۔ درج بالا کہانی صنفی امتیاز کی ایسی تصویر کشی کرتی ہے جس کے متعلق ایک تندرست سماج میں سوچنا بھی معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ کنیز جیسے باپ کی وفات کے بعد سماج اور دین محمد نے حد درجہ صنفی تفاوت کی چکی میں پسنے پر مجبور کر دیا۔ مجبور اور بے بس عورتوں کے متعلق اقتباس دیکھئے جو چند دن کی آسودگی کی خاطر سماج کی بدنامی کا طوق بھی گلے میں پہننے کو تیار ہوتی ہیں۔

> "سوچ لے ری، ہاں کہنا بڑا آسان ہے۔ چھ مہینے بعد جب واپس آئے گی تو دنیا یہی کہے گی کہ تیری ماں نے کھسم کیا، بہت بُرا کیا، کر کے چھوڑ دیا اس سے بھی برا کیا، جو بڑھیا کی، "جند گی" کیوں کھراب کرنے کی سوچ رہی ہے۔"
> "اپنے گھر تو بیٹھوں گی اماں ری۔ "کثیر منمنائی" دنیا تو اب جانے کیا کیا کہتی ہے، کوئی پتہ ہے کہیں مڑ کر نہ آؤں۔"
>
> "مڑ کر نہیں آئے گی تو پھر کہاں جائے گی ری؟؟" اماں نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
> "جباب دے اماں، دیری ہو رہی ہے۔" دین محمد نے صحن میں کھڑے کھڑے، آواز لگائی ستمبر کی دھوپ کھوپڑی چٹکائے رہتی تھی۔ بن باپ کی لڑکی ہے چھ مہینے مجھ سے کھائے پیئے گی۔"(۲)

مذکورہ بالا اقتباس میں جہاں صنفی امتیاز کے ذیل میں سماج اور سماجی رویوں سے تنگ آ کر کنیز چھ مہینے کی شادی کو بھی تیار ہوتی ہے وہاں وہ اس فکر کے متعلق سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتی کہ چھ مہینوں بعد وہ کیا کرے گی۔ اس اقتباس میں خدیجہ مستور سماج کے ایسے رویوں اور کھوکھلی رسومات پر کڑی تنقید کرتی ہیں جو عورت کو عزت، وقار اور مقام و مرتبہ تو دور دو وقت کی روٹی کے لیے بھی ترسنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ المختصر پیدائش سے تادم آخر عورت ذات صنفی امتیاز کا سامنا کرتی ہے۔ بعد ازاں یہ صنفی امتیاز اس قدر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ عورت کو اپنا وجود بوجھ لگنے لگتا ہے۔ درج بالا افسانہ اس کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

خدیجہ مستور کے قلم سے نکلا ہوا درِ شہوار افسانہ ''بھورے'' صنفی امتیاز اور جنسی استحصال کی کمال تصویر کشی کرتا ہے۔ یہ افسانہ یوں تو بھورے نامی ایک شخص کی داستان حیات بیان کرتا ہے لیکن اگر صنفی امتیاز کے تناظر میں اس افسانہ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بھی مذکورہ بالا افسانوں کی طرح عورت کو بدترین صنفی تفاوت اور جنسی استحصال کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ افسانہ بھورے اور اس کی بچپن کی منگیتر ظہورن کی داستان محبت بیان کرتا ہے۔ اس افسانے میں ظہورن کا کردار افسانے کا بنیادی کردار ہونے کے ساتھ ساتھ عورتوں کے ساتھ برتے جانے والے صنفی امتیاز کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

ظہورن جو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی بھورے اور سماج کی طرف سے برتے گئے صنفی امتیاز کا سامنا کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ آغاز میں بھورے کا اپنی بچپن کی منگیر کو چھوڑ کر شہر آنا جہاں ظہورن کے لیے بدنامی کا باعث بنتا ہے اور گاؤں کے باسی اس کے کردار پر انگلیاں اٹھاتے ہیں وہاں صنفی امتیاز اور عورت کے استحصال کی تصویر کی صورت میں متعارف بھی کروایا جاتا ہے۔ ایک عورت کا اپنے منگتر کی یاد میں ایام زندگی گزارنے ہوئے سماج کی طعن و تشنیع کو برداشت کس قدر مشکل ہوتا ہے اس کا عکس مذکورہ افسانے میں واضح نظر آتا ہے۔ بھورے کا منگیتر کو چھوڑ کر شہر آنا اور بعد ازاں منگیتر کو بھول جانا عورت کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ اس ذیل میں ایک اقتباس دیکھئے جو درج بالا صورت حال کی نہ صرف عکاسی کرتا ہے بلکہ صنفی امتیاز کی تصویر کشی بھی کرتا ہے۔ بھورے اور ظہورن کے درمیان مکالمہ دیکھیے:

"جب سے کھالہ کے پاس تیرا کھط آیا تھا بس اسی روج سے میں بابو سے کہنے لگی تھی کہ تو بھی لاہور چل، تیرے بنا بیتا پور جنگل لگتا تھا، تو بہت یاد آتا تھا۔ اماں نے شادی کے جو کپڑے بنوائے تھے وہ اب تک کلیجے سے لگا کر رکھ چھوڑے ہیں۔ کبھی تن کو نہیں لگائے، بابو نے تجھے اس لاہور میں سب جگہ تلاش کیا پر تو نہ ملا، بڑے میں کتنا آدی بستا ہے پر اماں کو اللہ جنت دے، کہا کرتی تھی کہ جی سے ڈھونڈو تو کھدا بھی مل جاتا ہے سچ کہتی تھی اماں۔" وہ مسکرانے لگی۔

"چھوڑو ان باتوں کو اب، پرائی ہو کر ایسی باتیں کیوں کرتی ہے؟ بھورے جھلا اٹھا یہ عورت ذات بھی بڑی چترباز ہوتی ہے۔ اب نخرے کر رہی ہے۔"(۳)

ظہورن کا کردار سماج میں موجود ایسی عورتوں کی نمائندگی کرتا ہے جن کی فطرت میں وفا اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو مرد کے ٹھکرائے جانے کے باوجود اپنے دل، جذبات اور محبت کا سودا نہیں کرتیں۔ وہ اپنا وجود، اپنی جوانی یہاں تک کے اس ایک مرد کے حصول کی خاطر اپنے ماں باپ کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ باوجود یکہ وہ پھر بھی سماج میں وہ عزت و تکریم حاصل کرنے میں ناکامیاب رہتی ہیں، حقیقت میں جس کی وہ حق دار ہوتی ہیں۔ سماج نہ صرف ان کے جذبات اور خلوص کی بے توقیری کرتا ہے بلکہ وہ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہر کے امیر، رئیس اور نواب زادے ایسی مجبور اور بے بس عورتوں کا جنسی استحصال بھی کرتے ہیں۔ ایسی غریب اور مجبور عورتیں صرف دو وقت کی روٹی کی خاطر نہ صرف امیر زادوں کو جنسی تسکین فراہم کرتی ہیں بلکہ ان کی طرف سے کیے گئے جنسی تشدد اور جنسی استحصال کو برداشت کرنے پر مجبور بھی ہوتی ہیں۔ امیر زادے ایسی مجبور عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے کے بعد انہیں حاملہ کر کے اپنے نوکروں اور خانساموں کے سپرد کر کے انہیں ہسپتال مرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ مذکورہ افسانے میں بھی سماج کے امیر طبقے کی اس بے حسی کو خدیجہ مستور نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ سماج کی اس بے حسی عورت ذات کی بے توقیری اور صنفی امتیاز کے تناظر میں عورتوں کے ساتھ برتے جانے والے اس غیر فطری سلوک پر کڑی تنقید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ المختصر یہ کہا جائے تو زیادہ موزوں ہو گا کہ خدیجہ

مستور نے مذکورہ افسانے میں عورت کے ساتھ برتے جانے والے معاشی، معاشرتی اور جنسی امتیاز کو کمال مہارت سے احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اس ذیل میں افسانہ سے اقتباس ملاحظہ کیجئے جس میں بھورے اور ظہورن کے درمیان ہونے والا مکالمہ صنفی امتیاز کا عکس پیش کرتا ہے:

> ”اصلی بات کیوں چھپاتی ہے، کہہ دے نا کہ جب میں نہیں تھا تو تیرے باپ نے دوسرے کے ہاتھ پکڑا دیا، ایکٹرسوں والے نخرے نہ مار اب۔“ اسے غصہ آگیا تھا۔
>
> ”واہ رے۔۔۔ اس نے غرور سے سر اونچا کر لیا ہے،“ جھورن ایسی نہیں کہ ایک کے بعد دوسرا کھسم کر لے۔ میری شادی تو تیرے ساتھ ہو چکی تھی۔ تیری خاطر اپنا دیس چھوڑا، ماں باپ چھوڑے، ماں یہاں نہ آتی تو ہیجہ کیوں ہوتا، بابو سڑک تلے کیوں آتا۔۔۔ “وہ رو پڑی۔
>
> ”یہ سب تو جبر وستی ہے، بابو کے بعد کون دیتا روٹی، کوٹھیوں میں کام کر کے پیٹ بھرتی تھی۔ یہ سہری بابو بڑے کھراب ہوتے ہیں، ہر سال اس اسپتال میں آکر کچے بچے جنتی ہوں، مر مر کی کر جیتی ہوں، بابو صاحب اپنے کسی بیرے کھانسامے کو میرا شوہر لکھا جاتے ہیں، اس باری وہ کھانساماں کہتا تھا کہ جھورن ایسے کب تک چلے گا میرے ساتھ دو بول پڑھالے، تجھے لے کر دور بھاگ جاؤں گا، پر میں ایسا کر سکتی تھی۔۔۔“؟ وہ سسکیاں بھرنے لگی اور پھر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولنے لگی،” اب تو مل گیا ہے بھورے، اب میں کہیں نہ جاؤں گی، دیکھ برتن مانجھ مانجھ کر ہاتھ گھس گئے۔“ اس نے بے بسی سے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔“(۴)

خدیجہ مستور کے افسانہ ”بھورے“ کے درج بالا اقتباس کا غائرانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صنفی امتیاز کے وہ عمدہ نوعیت کے مرقعے پیش کیے ہیں۔ جن کے سحر میں نہ صرف قاری محصور ہو کر رہ جاتا ہے بلکہ

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

وہ صنفی تفاوت کے ان اجزاء کو اپنے اردگرد سماج میں تلاش کرنے کی سعی میں مصروف عمل بھی ہو جاتا ہے۔ مذکورہ افسانہ صنفی امتیاز کی عکاسی کرنے کے ساتھ ہمارے سماج کے بھیانک چہرے کو بے نقاب بھی کرتا ہے۔

صنفی امتیاز کے تناظر میں خدیجہ مستور کا افسانہ "باندی کی عید" لائق مطالعہ ہے۔ مذکورہ افسانے میں گھر کی باندیوں کے ساتھ برتے جانے والے غیر انسانی سلوک کو افسانہ نگار نے کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں میں باندیوں کے ساتھ گھر کے مالکوں اور سماج کے حاکمانہ رویوں اور صنفی تفاوت کو احاطہ تحریر میں لانے کی سعی کی گئی ہے۔ باندیوں کے ساتھ اس قدر صنفی امتیاز برتا جاتا ہے کہ انہیں سماج حقیر اور کم تر خیال کرتے ہوئے انہیں عید جیسے مبارک دن کو بھی کسمپرسی کی حالت میں گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ باندیوں کے ساتھ یہ طبقاتی رویے جہاں باندیوں کی قابل رحم حالت کو بیان کرتے ہیں۔ وہاں سماج کی بے حسی، بے رحمی اور غیر انسانی سوچ کو بھی واضح کرتے ہیں۔ گھر کی باندی یا ملازمہ کو عید کے دن بھی اتنی اجازت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ نئے کپڑے زیب تن کر کے اس دن کو گزار سکے۔ گھر کی باندیاں جتنا بھی کام کر لیں اور گھر والوں کے لیے سہولتیں پیدا کر لیں جھڑک اور کوسنا ہی ان کے مقدر میں آتا ہے۔ خدیجہ مستور کے مذکورہ افسانہ سے اقتباس دیکھیے جس میں باندی کو صنفی تفاوت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

"ارے موئی تجھ پر خدا کی سنوار۔۔۔ آج کے دن بھی مر مر کر کام کر رہی ہے۔
جوان جہاں ڈیل اور مریل گھوڑی کی طرح چلتی ہے۔"
"تو نے اب تک بچوں کے لیے چائے تک نہیں تیار کی۔ خدا تجھے موت دے اگر بچوں کو کو سردی لگ گئی تو تیرے باپ کا کیا جائے گا۔"
"ارے اندھی کیا بچے یوں ہی پانی ٹپکتے جسم پر کپڑے پہن لیں گے تولیہ بھی نہیں رکھا۔"
"کھڑی کیا دیکھ رہی ہے مردار۔۔۔ اب جا کر میرے لیے بھی پانی سحو دے۔"
"پانی کیسے گرم ہو۔ ادھر کھڑی ہے اُدھر کھڑی ہے۔ حرام زادی۔"

"وہ پتیلا لے کر غسل خانے کی طرف بھاگی۔ پتیلے سے گرم پانی چھلک کر اس کے پاؤں پر گرا اور وہ سسک کر رونے لگے۔ اری بس۔ بالکل بے ہوش ہو کر چلتی ہے۔ جا ذرا سا ناریل کا تیل پر پاؤں پر لگا لے۔"

"اری تجھ پر علیؓ کی سنوار۔۔۔ ابھی تک اپنے جلے پاؤں کو ہی لیے بیٹھی ہے۔"نصیبوں جلی۔ دیکھ چار بج گئے۔ سب کچھ تو پکنے کو رکھا ہے۔"(۵)

خدیجہ مستور کے افسانے "باندی کی عید" کے مذکورہ بالا اقتباس کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس فن کارانہ مہارت سے سماج کے اندر پائے جانے کے معاشرتی و معاشی صنفی امتیاز کا عکس پیش کیا ہے۔ ہمارے سماج میں وہ غریب لوگ جو روزی، روٹی کی خاطر اپنی بیٹیوں کو گھروں میں کام کرنے کے لیے بھیجتے ہیں ان کے ساتھ وہ امراء جو غیر انسانی سلوک کرتے ہیں اس کا واضح اظہار مذکورہ افسانے میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ المختصر خدیجہ مستور کا درج بالا افسانہ سماج و معاشی صنفی امتیاز کی کمال عکاسی کرتا ہے۔

خدیجہ مستور کے افسانوں میں عورتوں کو ہی صنفی امتیاز کا شکار ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ خدیجہ کے افسانے مشرقی تہذیب و معاشرت کے عمدہ نمونے اور مرقعے پیش کرتے ہیں۔ مشرقی سماج میں عورت کے لیے بے جا پابندیاں اور حدود و قیود متعین کی گئی ہے جبکہ مرد ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد عورت کا استحصال کرتا ہے۔ مرد کو کسی نہ کسی طرح جنسی آزادی حاصل ہوتی ہے جبکہ عورتیں جنسی طور پر اتنی حقیر ہوتی ہیں کہ اپنی مرضی سے اپنے شوہر کو چھونے کا حق بھی نہیں رکھتیں اور اسی طرح اکثر گھریلو عورتیں نفسیاتی طور پر جنسی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ سماج کی تلخیوں اور عورتوں کو مقید کر کے ان کے ساتھ برتے جانے والے جنسی استحصال اور معاشرتی صنفی امتیاز کو خدیجہ مستور نے اپنے افسانے "ہنھ" میں کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔ افسانہ "ہنھ" کے کینوس پر یہی مکروہ اور غلیظ نوعیت کا صنفی امتیاز چھایا ہوا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار رونق میاں اور ان کی بیوی ہیں جبکہ ذیلی کرداروں میں دودھ پیتا بچہ، بھاوج اور طوائف مذکور ہیں۔ رونق میاں کا طوائف کی طرف مائل ہونا اور بیوی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بُرا بھلا کہنا اور اسے جنسی ضروریات سے محروم رکھنا نہ صرف مذکورہ افسانہ کا موضوع ہے بلکہ بیوی کا معاشرتی اور جنسی استحصال بھی ہے۔

خدیجہ مستور کے مطابق مشرقی عورتیں اپنے ساتھ برتے جانے والے صنفی امتیاز کی وجہ بھی کسی نہ کسی طرح خود ہوتی ہیں۔ رونق میاں کا طوائف سے جنسی تعلق استوار کرنا اور بیوی کو دھتکارنا دراصل عورت کے ساتھ برتے جانے والے صنفی امتیاز کی ہی تصویر کشی کرتا ہے۔ صنفی امتیاز کی عکاسی کرتا ہوا مذکورہ افسانہ سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''کیا جاگ رہی ہو۔ انہوں نے چپکے سے آواز دی۔ ''ہوں'' میں نے کہا سوتے سے آنکھ کھل گئی۔ اب نیند نہیں آرہی۔ ذرا پاؤں دبادو۔
> ''آج انہوں نے بہت دن کے بعد پاؤں دبانے کو کہا لیکن اُس نے جواب تک نہیں دیا۔۔۔ پھر بھی وہ دل میں خوش تھی بہت خوش۔'' سنا نہیں تم نے۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ ''میں نہیں دباؤں گی۔ جب تم میرے نہیں تو کیوں خدمت کروں۔۔۔ ''تم کیا تمہارے باپ دبائیں گے پاؤں۔ وہ غصے سے بیٹھ کر بولے۔ ہاں سمجھیں۔ نہیں تو اپنے گھر کا راستہ لو۔۔۔'' وہ چپکے سے اُٹھ کر سردی میں سسیاتی، ہانپتی بیٹھ گئی۔ لحاف ڈال لو اپنے اوپر۔ انہوں نے ملائمت سے کہا اور وہ جو اپنی اور ان کی جان ایک کرنے کے منصوبے باندھ رہی تھی محسوس کرنے لگی کہ اُس کا دل خوشی سے دھڑک رہا ہے۔''(۶)

رونق کا کردار ان مردوں کی نمائندگی کرتا ہے جو بیوی کو محض خدمت گزاری پر معمور رکھتے ہیں اور کئی کئی دن بیوی سے دور رہ کر باہر جنسی آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے مرد جو اپنی بیویوں کا جنسی استحصال کرتے ہیں بلکہ انہیں ذہنی مریض بھی بنادیتے ہیں۔ خدیجہ ایسے مردوں کو سماج کے لیے ناسور خیال کرتے ہوئے ان پر کڑی تنقید کرتی ہیں۔

صنفی امتیاز کے ذیل میں تحریر کیا گیا خدیجہ مستور کا افسانہ ''عشق'' ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مذکورہ افسانہ میں ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ برتے جانے والے معاشی، معاشرتی اور جنسی استحصال کو نہایت مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں خدیجہ نے ایک خوبصورت مگر جوان لڑکی کی کہانی بیان کی ہے جس کے

ساتھ سماج نے اس قدر صنفی امتیاز برتا کہ اسے محلہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس افسانے میں لڑکی کے جسم سے حظ اُٹھانے اور اس کا جنسی استحصال کرنے کے بعد اہلِ محلہ نے پنچایت کے باہمی فیصلے سے اسے محلہ بدر کر دیا۔ کسی نے جسم فروشی کے پیچھے اس کے مالی حالات کو جاننے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ یہ افسانہ جہاں صنفی امتیاز کا عکس پیش کرتا ہے وہاں سماج میں بسنے والے لوگوں کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو اپنی بے یار و مدد گار عورتوں کی مالی مدد کرنے کی بجائے ان کے جسم کو نوچتے ہیں اور بعد ازاں عورت کو بدکردار کہہ کر اسے معاشی اور معاشرتی طور پر تباہ و برباد کرنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ المختصر خدیجہ مستور کا درج بالا افسانہ ''عشق'' عورتوں کی نفسیات اور صنفی تفاوت کو نہایت سلیقے سے بیان کرتا ہے۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر01، جون-2024

حوالہ جات

1۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۳۱۲

2۔ خدیجہ مستور، مجموعۂ خدیجہ مستور، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۷

3۔ ایضاً، ص ۲۸۱

4۔ ایضاً، ص ۲۹۳

5۔ ایضاً، ص ۳۷۳

6۔ ایضاً، ص ۳۸۴